حافظ عبیداللہ
قسط نمبرا

احادیثِ نُزولِ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام

اور منکرین حدیث کے اعتراضات کا علمی جائزہ

نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے ماضی میں پیش آنے والے بہت سے واقعات کے بارے میں خبر دی اسی طرح مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے بہت سے احداث وواقعات کے بارے میں بھی خبر دار فرمایا، ماضی کے جن واقعات کے بارے میں آپ ِصلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ان میں مثلاً:

اُن تین آدمیوں کا قصہ جو بارش سے بچنے کے لئے ایک غار میں پناہ لیتے ہیں اور غار کا دہانہ بند ہوجاتا ہے پھر وہ اپنے اپنے نیک اعمال کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا کرتے ہیں اور غار کا راستہ کھل جاتا ہے (صحیح بخاری: حدیث نمبر 3465، صحیح مسلم: حدیث نمبر 2743) یا اُس آدمی کا واقعہ جس کے ساتھ ایک بھیڑیے نے بات کی (صحیح بخاری: حدیث نمبر 2324، صحیح مسلم: 2388) یا بنی اسرائیل کے اُس آدمی کا قصہ جس نے ننانوے قتل کیے تھے پھر وہ زمین پر موجود سب سے بڑے عالم کے بارے میں پوچھتا ہے تو اُسے ایک راہب کا پتہ دیا جاتا ہے چنانچہ وہ راہب کے پاس آتا ہے اور پوچھتا ہے کہ کیا میری توبہ کی کوئی سبیل ہے؟ راہب کہتا ہے کہ نہیں، تو وہ اُس راہب کو بھی قتل کر دیتا ہے، پھر اُسے ایک اور عالم کا پتہ بتایا جاتا ہے، وہ اُس عالم سے کہتا ہے کہ میں نے پورے سو قتل کیے ہیں کیا میری توبہ کی کوئی سبیل ہے؟ تو وہ عالم کہتا ہے کہ کیوں نہیں؟ تم ایسا کرو کہ فلاں جگہ چلے جاؤ وہاں کچھ لوگ اللہ کی عبادت میں مصروف ہیں تم بھی ان کے ساتھ اللہ کی عبادت میں مشغول ہوجاؤ اور اپنے علاقے کی طرف واپس مت جانا یہ بُرا علاقہ ہے وہ توبہ کی نیت سے اُس علاقے کی طرف جارہا ہوتا ہے کہ راستے میں ہی اس کی موت کا وقت آجاتا ہے وہ اپنا سینہ اُس علاقے کی طرف موڑ لیتا ہے جہاں وہ جارہا تھا، اب رحمت اور عذاب کے فرشتوں کے درمیان اختلاف ہوجاتا ہے کہ اس کی روح کون لے کر جائے گا؟ رحمت کے فرشتے کہتے ہیں کہ یہ توبہ کی سچی نیت سے جارہا تھا لہذا ہم لے کر جائیں گے جبکہ عذاب کے فرشتے کہتے ہیں کہ اس نے اپنی زندگی میں کوئی بھی نیک کام نہیں کیا لہذا اسے ہم لے کر جائیں گے، چنانچہ فیصلہ یوں ہوتا ہے کہ وہ جس جگہ سے آرہا تھا اُس کا فاصلہ ناپ لو، اور جہاں جارہا تھا اسکی مسافت بھی دیکھو، جب ناپا گیا تو وہ جس بستی میں توبہ کی نیت سے جارہا تھا اس کی طرف صرف ایک بالشت زیادہ قریب تھا تو رحمت کے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں (صحیح مسلم: حدیث نمبر 2766 واللفظ لمسلم، صحیح بخاری: حدیث نمبر 3470)۔

یہ چند مثالیں ہیں اُن واقعات کی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے بہت پہلے ہوئے اور آپ ِصلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے بارے میں خبر دی اور جو بھی آپ ِصلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتا ہے اُس کے لئے ان واقعات کی سچائی میں کوئی شک وشبہ نہیں، اگر کوئی کہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بھیڑیا انسان کے ساتھ بات کرے؟ یا یہ کیسے

ہوسکتا ہے کہ صرف اپنے نیک اعمال کا واسطہ دینے سے غار کا دہانہ کھل جائے اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث میں شک کرے تو ایسے شخص کے ایمان میں شک ہے، اور ایسے شخص کا ایمان بالرسول بھی مشکوک ہے جو یہ بہانہ پیش کرے کہ چونکہ ان واقعات کا قرآن کریم میں ذکر نہیں لہذا یہ تمام احادیث جھوٹی اور موضوع ہیں۔

بالکل اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے بہت سے واقعات وحوادث کے بارے میں بھی بتلایا، خاص طور پر علاماتِ قیامت اور قیامت کے قریب پیش آنے والے واقعات کے بارے میں احادیث کی ایک کثیر تعداد موجود ہے جسے محدثین ''الفِتَن'' اور ''علامات الساعة'' کے ابواب میں ذکر کرتے ہیں، ان میں کچھ چھوٹی علامات ہیں جنہیں ''علامات صغریٰ'' کہا جاتا ہے، اور کچھ بڑی علامات ہیں جنہیں ''علامات کبریٰ'' کہا جاتا ہے۔ ان علاماتِ کبریٰ میں سے ایک علامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''حضرت عیسیٰ بن مریم علی نبینا وعلیہ السلام کا نزول'' بھی بیان فرمائی ہے، بہت سے محدثین نے اپنی کتب میں ''باب نزول عیسیٰ بن مریم'' کے عنوان سے الگ باب بھی قائم فرمایا ہے اور مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے احادیث کی ایک کثیر تعداد مروی ہے جن کے اندر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا صراحت کے ساتھ ذکر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر چودھویں صدی ہجری تک امت اسلامیہ میں سوائے چند معتزلہ اور فلاسفہ کے کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قیامت سے پہلے نازل ہونے کا انکار نہیں کیا، امت کا رفع ونزولِ عیسیٰ علیہ السلام پر اجماع چلا آرہا ہے (اجماعِ امت کے حوالے آگے آرہے ہیں)، تیرھویں صدی کے آخر اور چودھویں صدی میں کچھ لوگوں کی اِکا دُکا آوازیں سننے کو ملیں جنہوں نے یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ نہیں ہیں اور انہوں نے ان تمام احادیث کو ناقابل اعتبار، موضوع، جھوٹی اور اسرائیلی روایات کہہ کر رد کردیا جن کے اندر نزول عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے، ان میں مصر کے شیخ محمد عبدہ اور ان کے چند تلامذہ کا مکتب فکر جس میں علامہ رشید رضا (جن کی وفات سنہ 1935ء میں ہوئی) اور شیخ محمود شلتوت (جن کی وفات سنہ 1963ء میں ہوئی) قابل ذکر ہیں خاص طور پر نظر آتا ہے لیکن خود مصر کے علماء نے ان کے امت اسلامیہ سے ہٹ کر تفردات کا بڑی شدّ ومدّ کے ساتھ رد بھی کیا ہے، اسی طرح جب برصغیر پاک وہند میں فتنہ انکارِ حدیث کا ظہور ہوا تو یہ فتنہ دو صورتوں میں سامنے آیا، پہلی صورت یہ کہ احادیث نبویہ کی تشریعی حیثیت کو تسلیم نہ کیا جائے جیسا کہ غلام احمد پرویز وغیرہ نے کیا، دوسری صورت یہ سامنے آئی کہ احادیث نبویہ کی تشریعی حیثیت کا مطلقاً انکار تو نہ کیا جائے بلکہ احادیث کی استنادی حیثیت کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کردیئے جائیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے چند ایسی شخصیات کا انتخاب کرلیا جائے جن پر علم حدیث کے بیشتر حصہ کا انحصار ہے، جن کی وساطت سے ہمارے پاس احادیث پہنچی ہیں اور جو علم حدیث کا ستون ہیں کہ ان کو گرانے سے احادیث نبویہ کی پوری عمارت متأثر ہو سکتی ہے، مشہور مستشرق گولڈ زیہر نے اسی فارمولے کو سامنے رکھتے ہوئے علم حدیث کے دو اہم ستونوں کا انتخاب کیا تھا،

جن میں سے ایک صحابی رسولِ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے مشہور تابعی ابن شہاب زہریؒ ہیں۔

گولڈزیہر ہی کے خیالات وافکار برِصغیر کے بعض لوگوں کی تحریروں میں نظر آئے، ایسے ہی ایک صاحب گذرے ہیں جن کا نام تو سید حیات الحق محمد محیی الدین تھا لیکن مشہور ''علامہ تمنا عمادی پھلواروی'' کے نام سے ہیں، جو 1888ء میں موجودہ ہندوستان کے علاقے پھلواری ریاست بہار میں پیدا ہوئے اور 1972ء میں کراچی میں فوت ہوئے، عمادی صاحب نے خاص طور پر امام ابن شہاب زہریؒ کو نشانہ بنایا اور ایک کتاب ''امام زہری وامام طبری'' کے عنوان سے لکھی جس میں گولڈزیہر ہی کی امام زہریؒ پر تنقید کا اعادہ وتکرار ہے، اسی طرح ان کی ایک کتاب بعنوان ''انتظارِ مہدی ومسیح فن رجال کی روشنی میں'' کی طرف ہمارے ایک نہایت محترم دوست نے توجہ دلائی جس میں تمنا عمادی صاحب نے امام زہریؒ کے ساتھ صحیح بخاری ومسلم جیسی کتب حدیث پر بھی اپنی تنقید کے خوب نشتر چلائے ہیں، کتاب کے سروق پر مصنف کے نام کے ساتھ ''محدث العصر جامع العلوم'' بھی لکھا ہے چنانچہ کتاب کا مطالعہ شروع کیا، کتاب کے باب سوم کا عنوان ہے ''نزولِ عیسیٰ کی احادیث اور ان پر تنقید'' جو کتاب کے صفحہ 163 سے شروع ہوکر اس کے اختتام یعنی صفحہ 310 تک پھیلا ہے، ہماری ان گذارشات کا تعلق اسی تیسرے باب سے ہے، کتاب کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوا کہ عمادی صاحب بلاشبہ اپنے فن میں یکتا ہیں اور اُن کا فن محض اپنے ذہن سے مفروضے بنا کر اور ہوائی قلعے تعمیر کرکے بات کا بتنگڑ بنانا ہے، موصوف راویوں کے بارے میں زمین وآسمان کے خوب قلابے ملاتے ہیں، اس فن میں ان کو ایسا کمال حاصل ہے کہ تاریخی طور پر دو الگ اشخاص کو ایک ثابت کرنا، کسی ایسے راوی کو جسے ائمہ علم رجال ثقہ لکھیں ''مجہول'' ثابت کرنا، کسی ایسے آدمی کو جو مثال کے طور پر اصل میں مدینہ منورہ کا باشندہ ہو اور ملک شام میں جا کر بس جائے جسے کتب اسماء الرجال میں ''نزیل الشام'' کہا جاتا ہے، اُسے ملک شام کا اصل باشندہ ثابت کرنا اور اس کے مدنی ہونے کا انکار کرنا (جیسے امام ابن شہاب زہریؒ)، لیکن دوسری طرف اسی طرح کے ایک مدنی (یعقوب بن ابراہیمؒ) کو جنہیں کتب اسماء الرحال میں ''نزیل بغداد'' لکھا ہے مدنی بتا کر یہ مفروضہ پیش کرنا کہ اِن سے نیشاپور کا کوئی آدمی روایت کیسے کرسکتا ہے، یہ ناممکن ہے، بتایا جائے کہ نیشاپور والا مدینہ کب گیا؟ یا مدنی راوی نیشاپور کب آیا؟ حتیٰ کہ کسی صحابی کو ''فرضی صحابی'' ثابت کرنا موصوف کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، موصوف جب کسی حدیث کو گرانا چاہتے ہیں تو ''موضوع اور مکذوب'' سے نیچے بات ہی نہیں کرتے، لوگوں کو اپنی ''محدثیت'' کا قائل کرنے کے لئے جگہ جگہ کتب اسماء الرجال کے حوالے دیتے ہیں لیکن خود اصول حدیث کی دھجیاں اڑاتے نظر آتے ہیں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تہذیب التہذیب کے حوالے جابجا دیتے ہیں لیکن جب یہی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اپنی شرح صحیح بخاری میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی سند میں مذکور کسی راوی کے بارے میں یہ لکھیں کہ اس سے فلاں بن فلاں مراد ہیں تو موصوف نے لئے یہ وضاحت قابل قبول نہیں ہوتی، بلکہ جناب اپنی عقل کے خیالی گھوڑے دوڑاتے ہیں اور سند میں مذکور راوی کا کوئی ایسا ہم نام تلاش کرکے لاتے ہیں جو مجروح ہو اور پھر اصرار کرتے ہیں کہ بخاری کی سند میں یہ راوی ہے اور امام بخاری نے اس کی ولدیت وغیرہ اس لئے ذکر نہیں کی کیونکہ

انہیں علم تھا کہ یہ ضعیف ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے (نعوذ باللہ) لوگوں کو دھوکے میں رکھنے کے لئے صرف اس کا نام بغیر ولدیت ذکر کر دیا، اور کہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے ہمدردی بھی جتاتے نظر آتے ہیں اور یہ تحقیق پیش کرتے ہیں کہ صحیح بخاری اور دوسری کتب حدیث میں وضّاعین اور جھوٹے لوگوں نے نہ صرف جھوٹی احادیث بلکہ پورے پورے باب بعد میں ''ٹھونس'' دیے ہیں جس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا کوئی قصور نہیں، موصوف کا مبلغ علم یہ ہے کہ صحیح بخاری میں جو''باب **نزول عیسیٰ بن مریم** '' ہے اس کے بارے میں بھی ترنگ میں آکر یہ لکھ گئے کہ یہ باب بھی صحیح بخاری میں بعد میں ''ٹھونس'' دیا گیا (موصوف نے یہی ٹھونسنے کا لفظ لکھا ہے) اور پھر یہ ''محدث العصر'' اس پر دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ یہ باب صحیح بخاری کی ''**کتاب بدء الخلق** ''میں ہے، بھلا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا ''آغازِ تخلیق'' کے باب سے کیا تعلق اس کو تو ''خاتمہ تخلیق'' یا ''کتاب الفتن'' وغیرہ میں ہونا چاہیے تھا، لکھتے ہیں:

''بات یہ ہے کہ متقدمین کی کتابوں میں ان کے وضاع وکذاب تلامذہ یا تلامذہ کے تلامذہ یا جلد بند یا نقل کرنے والے کاتبوں کو جہاں موقع مل جاتا تھا وہاں کچھ حدیثیں داخل کر دیتے تھے کبھی مستقل طور سے ایک باب ہی الگ سے قائم کر کے لگا دیتے تھے، اور بعض وقت تو وہ حدیثیں یا باب بے محل ٹھونس دیے جاتے تھے، اسی کی ایک مثال یہ باب نزول عیسیٰ بن مریم بھی ہے جس کو ٹھونسنے کی گنجائش کتاب الفتن میں تو یارانِ طریقت کو نہ ملی، کتاب بدء الخلق میں بے جوڑ طریقے سے ایک باب قائم کر کے صرف دو حدیثیں اس میں بنا کر درج کر دیں جو غریب امام بخاری کے سر پڑ گئیں''۔ (انتظارِ مہدی ومسیح، صفحہ 167-168)

مجھے بھی یہ بات عجیب لگی کہ کتاب بدء الخلق میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کا کیا تعلق؟ چنانچہ میں نے صحیح بخاری کی ''**کتاب بدء الخلق** '' دوبارہ دیکھی لیکن میری حیرت کی انتہاء نہ رہی جب مجھے اس میں ''**باب نزول عیسیٰ بن مریم** '' کہیں نظر نہ آیا، غور کرنے پر معلوم ہوا کہ دراصل یہ باب کتاب بدء الخلق میں نہیں جیسا کہ عمادی صاحب نے دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے (یا خود انہیں دھوکہ لگ گیا ہے) بلکہ اس سے اگلی کتاب ''**احادیث الانبیاء** '' میں ہے، یعنی وہ کتاب جس میں انبیاء علیہم السلام سے متعلق احادیث کا بیان ہے اور اس کتاب میں امام بخاریؒ نے ''**باب نزول عیسیٰ بن مریم** '' بھی قائم کیا ہے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام بھی انبیاء میں سے ایک جلیل القدر نبی ہیں لہٰذا اب کوئی اشکال نہ رہا، لیکن ان ''محدث العصر'' صاحب کی علمیت کا اندازہ یہیں سے ہو گیا کہ کس طرح ایک غلط بات کو بنیاد بنا کر یہ فتویٰ صادر فرما دیا کہ یہ باب کسی نے صحیح بخاری میں ''ٹھونس'' دیا ہے۔

آنکھیں ہیں اگر بند تو پھر دن بھی رات ہے　　　اِس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا؟

الغرض! جناب تمنا عمادی صاحب نے یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے کہ وہ تمام احادیث جن کے اندر ''نزولِ عیسیٰ علیہ السلام'' کی خبر دی گئی ہے ساری کی ساری ''موضوع اور جھوٹی'' ہیں اور سب سے بڑی دلیل اس پر یہ دی ہے کہ چونکہ قرآن کریم میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں اور ہر وہ حدیث جس میں کسی ایسی بات کا ذکر ہو جو قرآن نے بیان نہیں کی وہ جھوٹی ہے۔

کیا واقعی نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کی روایات اصولِ حدیث کی رو سے موضوع اور جھوٹی ہیں؟ محدثین اور علماء متقدمین اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ کیا کسی حدیث کے سچی یا جھوٹی ہونے کا اصول یہ ہے کہ اگر اس میں بیان شدہ مضمون قرآن میں ہو تو وہ سچی اور اگر حدیث میں مذکور بات قرآن میں نہ ہو تو وہ حدیث جھوٹی؟ کیا واقعی قرآن کریم کی کسی آیت سے نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کا اشارہ نہیں ملتا؟ اس ساری (بزعم خود) تحقیق سے مصنف کا مقصد کیا ہے؟ ان تمام سوالوں کے جوابات کے ساتھ ساتھ ہم کوشش کریں گے اصل حقیقت لوگوں کے سامنے لائی جائے، ان کے سامنے وہ احادیث رکھی جائیں جن کی بناء پر علماء امت نے فرمایا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کا نزول متواتر احادیث سے ثابت ہے اور بتایا جائے کہ جناب تمنا عمادی صاحب جیسے سو''محدث العصر'' مل کر بھی متقدمین میں سے امام بخاری، امام مسلم، امام ابن عطیہ اندلسی، امام ابوموسیٰ اشعری، حافظ ابن حجر، علامہ قسطلانی، علامہ عینی، علامہ نووی، حافظ ابن کثیر، قاضی عیاض وغیرہم رحمہم اللہ اور متاخرین میں سے علامہ محمد بن احمد السفارینی، علامہ انور شاہ کشمیری، علامہ شرف الحق عظیم آبادی، علامہ محمود آلوسی بغدادی، علامہ احمد محمد شاکر، علامہ محمد ناصر الدین البانی، علامہ محمد بن جعفر الکتانی اور علامہ زاہد کوثری وغیرہم رحمہم اللہ کے علم اور مرتبے تک نہیں پہنچ سکتے جنہوں نے تحقیق کے بعد نزول عیسیٰ علیہ السلام کی احادیث کو''متواتر'' بتایا ہے (تفصیل آگے بیان ہوگی)، جس آدمی کو یہ تک علم نہیں کہ صحیح بخاری میں''باب نزول عیسی بن مریم'' کس کتاب میں ہے وہ چلا ہے ان متواتر احادیث کو''موضوع اور مکذوب'' ثابت کرنے۔

آگے چلنے سے پہلے تمنا عمادی صاحب کی کتاب سے چند اقتباسات کا مطالعہ کرلیں جن سے ہر وہ شخص جسے عقلِ سلیم عطا کی گئی ہے بخوبی اندازہ کرسکتا ہے کہ موصوف کا اصل مقصد نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کا انکار نہیں بلکہ حدیث اور کتب حدیث کو مشکوک اور ناقابل اعتبار ثابت کرنا ہے، ملاحظہ فرمائیں وہ جابجا اپنے دل کی بات کس طرح نوکِ قلم پر لاتے ہیں، چنانچہ باب سوم کے شروع میں لکھتے ہیں:

''جن حضرات کے نزدیک کتبِ حدیث آسمانی صحیفے، راویانِ حدیث حاملانِ وحی فرشتے اور جامعینِ احادیث مہبطِ وحی مثل انبیاء ومرسلین تھے وہ میری تنقید سے کیا مطمئن ہوسکتے ہیں، بلکہ چڑ کر قرآن مجید پر مُنہ آنے لگیں گے اس لئے ان کے لئے یہ تنقید تحصیل لاحاصل ہے، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اس دعوے پر ایمان رکھتے ہیں کہ **ما فرطنا فی الکتاب من شيء** ہم نے اس کتاب میں کوئی کمی نہیں چھوڑی ہے **ونزلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شيء** ہم نے یہ کتاب تم پر دین کی ہر بات کھول کر بیان کردینے کے لئے اتاری ہے وہ اس پر بھی ایمان ضرور رکھتے ہیں کہ نزولِ مسیح وآمد مہدی اگر کوئی دینی عقیدہ ہوتا تو قرآن مبین میں ان باتوں کی خبر ضرور دی جاتی جب قرآن مبین میں ان کا ذکر نہیں تو ان باتوں کو دینی عقیدہ سمجھنا ہی بدعت وضلالت ہے''۔ (انتظارِ مہدی ومسیح، صفحہ 165)

اور کتاب کے آخر میں یوں لکھتے ہیں:

''میں نے ان حدیثوں کی تنقید صرف روایت پرستوں کے لئے لکھی ہے کہ تا بدر باید رسانید، ورنہ جو لوگ قرآن مجید کو کامل و مکمل سمجھتے ہیں اور ما فرطنا فی الکتاب من شیء پر ایمان رکھتے ہیں ان کو ان تنقیدات کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ ان کے لئے تو ان ساری حدیثوں کے غلط ہونے کی صرف یہی ایک زبردست دلیل کافی ہے کہ نزولِ عیسیٰ بن مریم کا کوئی ذکر قرآن مبین میں نہیں ہے اس لئے نزولِ مسیح کا عقیدہ ہی باطل ہے اور یہ ساری حدیثیں یقیناً جھوٹی ہیں''۔

(انتظارِ مہدی ومسیح، صفحہ 309)

تمنا عمادی صاحب کے مذکورہ بالا الفاظ سے اُن کے دل میں حدیث، محدثین، رواۃ حدیث اور کتب حدیث کے بارے میں حقد اور نفرت جھلک رہی ہے ورنہ آج تک کسی نے نہیں کہا کہ کتبِ حدیث آسمانی صحیفے ہیں، کسی کا یہ دعویٰ نہیں کہ رواۃ حدیث فرشتے یا معصوم ہیں نہ ہی کسی کا یہ موقف ہے کہ محدثین اور جامعین کتب حدیث پر انبیاء ومرسلین کی طرح وحی نازل ہوتی ہے، یہ سب کچھ عمادی صاحب نے حدیث اور محدثین کے ساتھ اپنے ''عناد'' کی وجہ سے لکھا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اگر راویانِ حدیث کو فرشتے سمجھا جاتا تو کتب اسماء الرجال و جرح وتعدیل نہ لکھی جاتیں، اگر کتبِ حدیث کو آسمانی صحیفے اور ان کے جامعین کو مہبط وحی تصور کیا جاتا تو ان کتابوں کی روایات کی جانچ پھٹک نہ کی جاتی اور صحیح وضعیف روایات کو الگ الگ نہ کیا جاتا۔

منکرینِ حدیث کا یہ وطیرہ بھی رہا ہے کہ وہ حدیث اور کتب حدیث کے بارے میں شکوک وشبہات پھیلانے کے لئے قرآن کا نام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حدیث کے صحیح ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس میں بیان کردہ مضمون قرآن میں ہو۔ یہ صرف ایک دھوکہ ہے ورنہ قرآن تو خود کہتا ہے کہ ﴿**من یطع الرسول فقد اطاع اللہ** (النساء: ۸۰) ﴾ جس نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی پس اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ یہ نہیں فرمایا کہ ''جس نے اللہ کی اطاعت کی اس نے رسول کی اطاعت کی'' بلکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کہا گیا، نہ ہی یہ کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف اس بات میں اطاعت کرنی ہے جس کا ذکر قرآن میں ہو، اور جس بات کا ذکر قرآن میں نہ ہو وہ نہیں ماننی۔

قرآن کا حکم تو یہ ہے ﴿**قُل اطیعو اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر** (النساء: ۵۹) ﴾ آپ کہہ دیجیے! اطاعت کرو اللہ کی اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اور ان کی جو تم میں سے صاحب اختیار ہوں، پس اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم واقعی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔

اس میں ''اللہ کی اطاعت'' اور ''رسول کی اطاعت'' دونوں کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے نیز اختلاف کی صورت میں بھی ''اللہ'' اور ''رسول'' کی طرف رجوع کرنے کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات (حدیث) بھی اللہ کی بات (قرآن) کی طرح اپنی جگہ مستقل حجت ہے۔

قرآن تو یہ کہتا ہے کہ ﴿لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر (الاحزاب: ۲۱) ﴾ بلاشبہ تمہارے لیے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے (پیروی کے لیے) ایسے شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔

اس آیت میں لفظ ''رسول اللہ'' ایک جامع لفظ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی کو محیط ہے۔ اس میں آپ کی قولی اور فعلی تمام احادیث شامل ہیں آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کو نمونہ بنائے اور یہ تب ممکن ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو فی نفسہ اور مستقل حجت تسلیم کرے۔ اگر وہ انہیں حجت تسلیم نہیں کرتا یا اپنی خواہش کے تابع ''تحقیق'' کرتا ہے اور یہ قید لگاتا ہے کہ میں قرآن کو دیکھوں گا اگر حدیث میں بیان کردہ بات یا مضمون اس میں ملا تو حدیث کو مانوں گا ورنہ نہیں تو ایسا شخص اس آیت اور دوسری آیات کا منکر ہے۔

قرآن کا فیصلہ تو یہ ہے کہ ﴿ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولّیٰ ونصلہ جھنم (النساء:۱۱۵)﴾ اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے۔ اس کے بعد کہ اس کے لیے سیدھا راستہ خوب واضح ہو چکا اور مومنوں کی راہ کے علاوہ کسی دوسری راہ پر چلنے لگے تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرے گا اور اسے جہنم میں داخل کریں گے۔

اس آیت کریمہ میں صرف رسول اور اس کی ہدایت کا ذکر کیا گیا ہے، کتاب اللہ کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ ''مُشاقّۃ'' دراصل عملی مخالفت کو کہا جاتا ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اعمال کئے اگر کوئی شخص ان کے خلاف کرتا ہے تو اس کے لیے وعید اور تخویف ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال احادیث میں مذکور ہیں۔ لفظ ''الہدیٰ'' بھی عام ہے اور کتاب اللہ اور حدیث دونوں ہدایت کے سرچشمے ہیں۔ اس ہدایت کی مخالفت جہنم میں داخل ہونے کا سبب بنتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال اور ہدایت کی مخالفت کرنے والا اس کی حجیت سے انکار کرتا ہے، لہٰذا منکرینِ حجیتِ حدیث اس آیت کے منکر ہیں۔

اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو موضوع احادیث کا وجود بذاتِ خود حجیتِ احادیث کے لیے ایک قوی دلیل ہے جس کا منکرینِ حدیث بھی انکار نہیں کر سکتے۔ وہ اس طرح کہ اگر احادیث شرعی حجت نہ ہوتیں تو پھر احادیث گھڑنے کا کیا فائدہ؟ جب اصلی سکہ کی بازار میں قدر و قیمت ہوگی تو کھوٹے سکے بنائے جائیں گے۔ منکرینِ حدیث بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ایک دور ایسا آیا کہ جب موضوع روایات کا سیلاب امڈ آیا تھا جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس وقت امت کی اکثریت حجیتِ احادیث کی قائل تھی۔

جاری ہے